ابنِ عجیبہ کا نظریۂ شریعت و طریقت: ایک مطالعہ

(A Study of *Ibn ‘Ajībah’s* Theory of *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah*)

حافظ محمد قاسم*

ڈاکٹر نصیر احمد اختر**

Abstract

In Muslim scholarly tradition, there has been a debate on the relationship between *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah.* This article studies a Moroccan scholar and Sufi *Ibn ‘Ajībah al-Ḥasanī*’s theory of *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah*. It finds that *Ibn ‘Ajībah* considers *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah* to be inseparable. To him, *Ṭarīqah* is the essence of *Sharī‘ah*. *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah* have the same relationship as soul and body. *Sharī‘ah* is a body and *Ṭarīqah* is a soul. He who obtains the law but does not find the truth is a transgressor, and he who obtains the truth but does not know the law is an atheist. It is necessary to combine the two. *Ibn ‘Ajībah’s* theory seems to correspond with Quran, *Ḥadīth* and Prophet’s conduct. Many Muslim scholars’ interpretations of *Sharī‘ah* and *Ṭarīqah* are also in line with *Ibn ‘Ajībah’s* under discussion theory.

Key Words: *Sharī‘ah, Ṭarīqah, Tasawwuf, Ibn ‘Ajībah*

بعض لوگ تصوف و طریقت کو شریعت کا مد مقابل اور حریف سمجھتے ہیں۔ علماے اسلام اور صوفیہ کی کثیر تعداد اس نظریے کو رد کرتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ شریعت اور طریقت مقابل اور حریف نہیں، ایک دوسرے کے ساتھ مربوط ہیں۔ بعض کے نزدیک دین و شریعت اصل اور کل ہے اور تصوف و طریقت اس کا جزو اور حصہ۔ جزو اپنے کل سے نظری اور عملی اکتساب کرتا ہے، اس لیے اسے اس کا حریف یا مخالف نہیں کہا جا سکتا۔ ہر زمانے کے اہل علم اور صوفیہ شریعت و

---

* پی ایچ ڈی سکالر شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف لاہور، لاہور/ اسسٹنٹ پروفیسر اسلامیات، گورنمنٹ شالیمار کالج، باغبانپورہ، لاہور

**پروفیسر/ صدر شعبۂ اسلامیات، یونی ورسٹی آف لاہور، لاہور

طریقت سے متعلق اس بحث میں اپنے اپنے انداز میں امت کی رہنمائی کرتے رہے ہیں۔ اس مضمون میں اس زیرِ نظر حوالے سے ابن عجیبہ (1161ھ-1224ھ) [1] کا نظریۂ شریعت و طریقت ان کی تفسیر "البحرالمدید فی تفسیر القرآن المجید "ہے، جوکہ ایک اشاری تفسیر ہے، کی روشنی میں زیرِ بحث لایا جارہا ہے۔

شریعت وطریقت کا تلازم

ابن عجیبہ کے نزدیک شریعت وطریقت لازم و ملزوم ہیں۔ ان کے مطابق: **لا بد من الجمع بين الحقيقة في الباطن، والتمسُّك بما جاءت به الرسل من الشريعة في الظاهر۔**[2] "باطن میں حقیقت، اورظاہر میں رسولوں کی شریعت پر کاربند رہ کر دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔" آپ شریعت وطریقت کے تلازم اور باہمی ارتباط کو واضح کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> **فإن الحقيقة إنما هي لب الشريعة وخلاصتها، فإنما مثل الحقيقة والشريعة كالروح للجسد، فالشريعة كالجسد، والحقيقة كالروح، فالشريعة بلا حقيقة جسد بلا روح، والحقيقة بلا شريعة روح بلا جسد، فلا قيام لهذا إلا بهذا، فمن تشرَع ولم يتحقق فقد تفسق، ومن تحقق ولم يتشرّع فقد تزندق، ومَن جمع بينهما فقد تحقق، ومن خرج عنهما فقد خرج عن دين الله وطلب غيره۔**[3]
>
> بلاشبہ حقیقت شریعت کا لُبِ لباب اور اس کا خلاصہ ہے، حقیقت اور شریعت کا وہی تعلق ہے جو روح اور جسم کا ہوتا ہے، شریعت جسم اور حقیقت روح کی مانند ہے، شریعت بدوں حقیقت جسم بلا روح کے مانند ہے، اور حقیقت بغیر شریعت کے روح بلا جسم کے مانند ہے، دونوں کا وجود ایک دوسرے پر موقوف ہے، لہٰذا جس نے شریعت کو حاصل کیا مگر حقیقت کو نہ پایا تو فاسق ہے، اور جس نے حقیقت کو حاصل کیا مگر شریعت سے نابلد رہا تو وہ لادین ہے اور جس نے دونوں کو حاصل کیا وہی حق پر ہے، اور جو دونوں سے محروم رہا گویا وہ اللہ کے دین سے نکل کر غیر اللہ کی طلب میں مصروف ہوا۔

---

[1] پورانام ابوالعباس احمد بن محمد بن المھدی ابن عجیبہ الحسنی ہے۔ابن عجیبہ کا تعلق مراکش سے تھا۔آپ ایک بلند پایہ مفسر، عظیم صوفی اور شیخِ طریقت تھے۔آپ نے مختلف علوم و فنون پر تقریباً پینتالیس تصانیف یادگار چھوڑی ہیں۔ زیادہ تر تصانیف تصوف و سلوک سے متعلق ہیں۔"البحرالمدید فی تفسیر القرآن المجید " تفسیرِ اشاری ہے اور صوفیانہ نکات و تعلیمات سے مملو۔(تفصیلات کے لیے دیکھیے : خیر الدین محمود بن محمد بن علی بن فارس الزرکلی، الاعلام (بیروت: دار العلم للملایین، 1400ھ / 1980ء)، 1:245۔)

[2] ابوالعباس احمد بن محمد بن المھدی ابن عجیبہ الحسنی، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید (القاہرۃ: المکتبۃ التوفیقیۃ، س ن)، 1:375۔

[3] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1:375۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السلام کے قصہ میں بھی ابن عجیبہ نے اصحابِ شریعت اور اصحابِ طریقت و تصوف میں نسبت اور امتیاز کو اجاگر کیا ہے، اصحاب شریعت بحر شرائع میں غوطہ زن ہوتے ہیں اور اصحابِ طریقت بحر حقائق میں غوطہ زنی کرتے ہیں۔ فرماتے ہیں: **قصة سيدنا موسى مع الخضر- عليهما السلام- هي السبب في ظهور التمييز بين أهل الظاهر وأهل الباطن، فأهل الظاهر قائمون بإصلاح الظواهر، وأهل الباطن قائمون بتحقيق البواطن. أهل الظاهر مغترفون من بحر الشرائع، وأهل الباطن مغترفون من بحر الحقائق۔**[4] موسیٰ اور خضر علیہما السلام کے واقعہ سے اہل ظاہر اور اہل باطن کے درمیان فرق ظاہر ہوا۔ اہل ظاہر ظاہر کی اصلاح کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اور اہل باطن باطن کی درستی کی ذمہ داری اٹھاتے ہیں۔ اہلِ ظاہر احکام کے سمندر میں غرق رہتے ہیں، اور اہلِ باطن حقائق کے سمندر میں غوطہ زن ہوتے ہیں۔

شیخ کی ضرورت

کسی بھی علم و فن میں کمال حاصل کرنے کے لئے اس فن کے ماہرین کی شاگردی میں رہ کر تربیت کا حصول ضروری ہوتا ہے۔ وصول الی اللہ کا راستہ نہایت کٹھن ہے؛ تن تنہا یہ طریق طے کرنا بہت دشوار بھی ہے اور پر خطر بھی۔ لہٰذا کسی مرشد کامل کے دامن سے وابستگی ضروری ہے۔ ابن عجیبہ بھی شیخ کی صحبت و تربیت کو ضروری خیال کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک بے شیخ مربی کی صحبت زہر قاتل ہے۔ فرماتے ہیں:

> **كل مَن لا شيخ له في طريق القوم فهو يتيم، لا أبَ له، فإن ادعى شيئاً من الخصوصية سُمي عندهم لقيطاً أو دعياً، أي: منسوباً إلى غير أبيه، وما زالت الأشياخ تُحذِّر من مخالطة العوام، ومن مخالطة المتفقرة الجاهلة، أعني: الذين لا شيخ لهم يصلح للتربية، حتى قالوا: مخالطتهم سُم قاتل. وقال بعضهم: يجتنب المريد مخالطة ثلاثة أصناف من الناس: المتفقرة الجاهلين، والقراء المداهنين، والجبابرة المتكبرين.قلت: وكذلك الفروعية المتجمدين على ظاهر الشريعة، فصُحبتهم أقبحُ من الجميع۔**[5]
>
> تصوف میں جس کا کوئی شیخ نہ ہو وہ یتیم ہے، اس کا کوئی باپ نہیں ہے۔ اور اگر وہ کسی خصوصیت کا دعویٰ کرتا ہے تو صوفیا کے ہاں اسے لقیط یا لے پالک یعنی غیر باپ کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔ مشائخ ہمیشہ سے عوام الناس اور مفلس جاہلوں کے ساتھ میل جول رکھنے سے منع کرتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جنھوں نے تربیت کے لئے کسی شیخ کو نہ پکڑا ہو۔ مشائخ نے یہاں تک فرمایا کہ ان کے ساتھ

---

[4] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 3:285۔

[5] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1:250۔

میل جول رکھنا زہر قاتل ہے۔ بعض مشائخ فرماتے ہیں کہ مرید کو تین طرح کے لوگوں کے ساتھ میل میلاپ رکھنے سے بچنا چاہیے، مفلس جاہلین، حق پوش قرااور ظالم متکبرین۔ میں کہتا ہوں کہ ظاہری شریعت پر جامد ظاہری علما سے بھی بچنا ضروری ہے، کیونکہ ان کی صحبت سب سے زیادہ نقصان دہ ہے۔

شیخ کی صحبت کو ضروری قرار دینے کا سبب یہ ہے کہ اس کے بغیر اللہ کا قرب میسر نہیں آ سکتا: **لا وسيلة أقرب من صحبة العارفين، والجلوس بين أيديهم وخدمتهم، والتزام طاعتهم، فمن رام وسيلة توصله إلى الحضرة غير هذه فهو جاهل بعلم الطريق. قال أبو عمرو الزجّاجی رضي الله عنه: لو أن رجلاً كشف له عن الغيب، ولا يكون له استاذ لا يجيءُ منه شيء.وقال إبراهيم بن شيبان رضي الله عنه: لو أن رجلاً جمع العلوم كلها، وصحب طوائف الناس، لا يبلغ مبلغ الرجال إلا بالرياضة من شيخ أو إمام أو مؤدب ناصح، ومن لا يأخذ أدبه من آمر له وناهٍ يريه عيوبَ أعماله ورُعونات نفسه، لا يجوز الاقتداء به في تصحيح المعاملات۔**[6] "عارفین کی صحبت، ان کی مجلس نشینی، ان کی خدمت اور ان کی اطاعت سے بڑا کوئی وسیلہ نہیں ہے، جو شخص قرب الٰہی کو اس کے علاوہ کسی اور وسیلے میں تلاش کرے وہ علم تصوف سے ناواقف ہے۔ ابو عمرو الزجاجی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بے استاد شخص پر چاہے غیب کا کشف ہی کیوں نہ ہو جائے اس سے کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ابراہیم بن شیبان رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: اگر کسی کو تمام علوم حاصل ہو جائیں، ہر طرح کے انسان کی صحبت کا شرف بھی حاصل ہو، پھر بھی کامل انسان بننے کے لئے کسی شیخ، امام، یا کسی خیر خواہ استاد کی خدمت میں ریاضت ناگزیر ہے۔ جس شخص نے کسی ایسے شیخ کی زیر نگرانی رہ کر تربیت حاصل نہیں کی جو اسے ضروری باتوں کا حکم اور نامناسب باتوں سے منع کرے۔ اس کے اعمال میں بے شمار عیب اور اس کی ذات میں رعونتیں نظر آئیں گی، اپنے معاملات کی درستی میں اس کی پیروی کرنا قطعاً جائز نہیں ہے۔"

شیخ کی صحبت کو بہت سے دیگر اہلِ علم و تصوف نے بھی ضروری قرار دیا ہے۔ مثلاً امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **ينبغي للسالك شيخ مرشد مربي ليخرج الأخلاق السيّئة منه بتربيته ويجعل مكانها خلقا حسنا۔**[7] "سالک کے لیے کسی مرشد اور مربی شیخ کا ہونا ضروری ہے، تاکہ وہ اس کی تربیت کرکے اس سے برے اخلاق نکال دے اور ان کی جگہ اخلاق حسنہ پیدا کردے۔"

اہلِ طریقت کی افضیلت

صوفیا کی ایک کثیر تعداد صوفیا کو علماے شریعت پر افضل قرار دیتی ہے۔ علامہ قشیری جماعت صوفیا کو رسولوں کے بعد جمیع مخلوق پر افضل قرار دیتے ہیں: **فقد جعل الله هذه الطائفة صفوة أوليائه، وفضلهم على الكافة من عباده، بعد**

---

[6] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 2: 37۔

[7] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، مجموعہ رسائل (بیروت: دار الفکر: 1416ھ/1995ء)، 1: 262۔

رسله وأنبيائه۔[8] "تحقیق اللہ تعالیٰ نے اس جماعت کو اپنے اولیا میں پسندیدہ قرار دیا ہے اور انھیں رسولوں اور انبیا کے بعد اپنے تمام بندوں میں افضلیت بخشی ہے۔" امام غزالی نے بھی "احیاء علوم الدین" میں ولایت کی چار اقسام بیان کرتے ہوئے اولیا کو علما پر مقدم رکھ کر انھیں افضل قرار دیا ہے۔ امام غزالی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں: **بل الرتبة العليا للأنبياء ثم الأولياء ثم العلماء الراسخين في العلم ثم للصالحين۔**[9] "بلکہ سب سے اعلیٰ مرتبہ انبیا کا ہے پھر اولیا، پھر علمائے راسخین فی العلم کا اور پھر صالحین کا ہے۔"

علما باللہ و علما باحکام اللہ

ابن عجیبہ کے مطابق جہاں علمائے ظاہر کی حد ختم ہوتی ہے، وہاں سے علماے باطن کا علم شروع ہوتا ہے۔ اور علماے باطن کی افضلیت کی وجہ یہ بیان کی کہ علماے ظاہر کا علم ظنی ہوتا ہے، جب کہ علماے باطن کا علم مشاہدے کی بنیاد پر ہوتا ہے: **والعلماء على قسمين: علماء بالله وعلماء بأحكام الله. فالعلماء بالله هم العارفون به، أهل الشهود والعيان. وهم أهل علم الباطن، أعني: علم القلوب، والعلماء بأحكام الله هم علماء الشرائع والنوازل. وحيث انتهت درجة العلماء بأحكام الله ابتدئت درجة العلماء بالله. فنهاية علماء الظاهر بداية علماء الباطن لأن علم أهل الظاهر جله ظني، وعلم أهل الباطن عياني، ذوقي، وليس الخبر كالعيان، مع ما فاقوهم به من المجاهدة، والمكابدة، ومقاساة مخالفة النفوس، وقطع المقامات، حتى ماتوا موتات، ثم حييت أرواحهم، فشاهدوا من الأنوار والأسرار ما تعجز عنه العقول، وتكل عنه النقول۔**[10] "علما کی دو قسمیں ہیں علما باللہ اور علما باحکام اللہ۔ علما باللہ سے مراد وہ علما ہیں جو اللہ کی معرفت رکھتے ہوں، مشاہدے اور دیدار کے حامل ہوں، یہی علمِ باطن یعنی علمِ قلوب کے حاملین ہیں۔ علما باحکام اللہ سے مراد شرائع اور احکام سے واقف اہلِ علم ہیں۔ جہاں علما باحکام اللہ کا درجہ ختم ہوتا ہے وہاں سے علما باللہ کے درجے کی ابتدا ہوتی ہے، چنانچہ علماے ظاہر کی انتہا علماے باطن کی ابتدا ہے، کیونکہ اہل ظاہر کا زیادہ تر علم ظنی ہوتا ہے اور اہل باطن کا علم مشاہداتی اور ذوقی ہوتا ہے، خبر مشاہدے کے مساوی نہیں ہو سکتی۔ نیز علماے باطن کو اس وجہ سے بھی فوقیت حاصل ہوتی ہے کہ انھیں مجاہدے، مشقتیں، خواہشات نفس کی مخالفت، اور قطعِ مقامات جیسی خصوصیات حاصل ہوتی ہیں، حتیٰ کہ وہ کئی موتوں کا شکار ہوتے ہیں، پھر جا کر ان کی روحیں زندہ و جاوید ہوتی ہیں، اور انھیں ان انوارات واسرار کا مشاہدہ نصیب ہوتا ہے، جن سے عقل عاجز رہتی ہے، اور نصوص جن سے انکار کرتی ہیں۔" ایک دوسری جگہ اپنے موقف کو مزید واضح کرتے ہوئے فرمایا: **الداعون إلى الله على الحقيقة هم العارفون بالله، وهم أصحاب الشهود، الذين وصفهم قبل، وأما الفقهاء في الدِّين فإنما يدعون إلى أحكام الله، وتعلم دينه دون معرفة ذاته وصفاته فدعواهم**

---

[8] القشیری، الرسالۃ القشیریۃ، 1: 15۔

[9] ابو حامد محمد بن محمد الغزالی، احیاء العلوم الدین (بیروت: دار المعرفہ، س ن)، 1: 53۔

[10] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 4: 181,182۔

ضعيفة التأثير، فلا ينهض على أيديهم ما ينهض على أيدي العارفين۔[11] "اللہ کی طرف بلانے والے درحقیقت عارف باللہ ہی ہوتے ہیں، جو مشاہداتی دنیا کے لوگ ہوتے ہیں جن کا تعارف ما قبل میں گزرا ہے، جب کہ دین کے فقہا تو اللہ کی ذات و صفات کی بجائے احکام الٰہیہ اور دین الٰہی کے سیکھنے کی دعوت دیتے ہیں، چنانچہ فقہا کی دعوت ضعیف الاثر ہوتی ہے اور فقہا کے ہاتھوں وہ کامیابی نہیں حاصل ہوتی جو عارفین کے ہاتھوں حاصل ہو جاتی ہے۔" علمائے باطن اور علمائے ظاہر میں تقابل کرتے ہوئے ابن عجیبہ نے صوفیا کو خواص شمار کرتے ہوئے افضل قرار دیا ہے۔ فرماتے ہیں: وقوم هم الفقهاء المرجوعُ إليهم في علوم الشريعة وفي العبادات وكيفية المعاملات، وهم من الدين بمنزلة الوكلاء والمتصرفين في المُلْك، وآخرون هم أهل المعرفة وأصحاب الحقائق، وهم في الدِّين كخواص الملك وأعيان مجلس السلطان وأرباب الأسرار، الذين لا يبرحون في عالي مجلس السلطان۔[12] "ایک جماعت فقہا کی ہے، جن کی طرف علومِ شریعت، عبادات اور معاملات کے حوالے سے رجوع کیا جاتا ہے، یہ لوگ وکلا اور بادشاہت میں تصرف کے مالکین کی مانند ہیں، دوسری جماعت معارف اور حقائق کے حاملین کی ہے، جن کا دین میں وہی مرتبہ ہے جو بادشاہ کے خواص، شاہی مجلس کے سرداران، اور رازداروں کا ہوتا ہے، جو ہمیشہ شاہی مجلس میں نمایاں رہتے ہیں۔"

عوام، خواص اور خواص الخواص

ابن عجیبہ کے نزدیک اہلِ ایمان تین طبقات پر مشتمل ہیں؛ عوام، خواص اور خواص الخواص۔ ان تینوں کے ایمان میں بڑا فرق ہوتا ہے۔ لکھتے ہیں: الناس ثلاثة: عوام، وخواص، وخواص الخواص. فالعوام: هم الذين لا شيخ لهم يصلح للتربية.والخواص: هم الذين صحبوا شيخ التربية، ولم ينهضوا إلى مقام التجريد. وخواص الخواص: هم الذين صحبوا شيخ التربية وتجردوا ظاهراً وباطناً، خربوا ظواهرهم، وعمّروا بواطنهم، وهم الذين خاضوا بحار التوحيد، وذاقوا أسرار التفريد.[13] "لوگوں کی تین اقسام ہیں: عوام، خواص اور خواص الخواص۔ عوام وہ لوگ ہیں جن کا کوئی ایسا شیخ نہ ہو جو تربیت کی صلاحیت رکھتا ہو، خواص وہ لوگ ہیں جو شیخ التربیت کی صحبت سے فیض یاب ہو چکے ہوں اور ظاہر و باطن میں تجرد حاصل کر چکے ہوں، اور اپنے ظاہر کو پراگندہ کر کے اپنے باطن کو آباد کر چکے ہوں، یہی وہ لوگ ہیں جو توحید کے سمندروں میں غوطہ زن اور تفرد کے اسرار کا ذائقہ چکھ چکے ہوتے ہیں۔" ارشاد باری تعالی يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ آمَنُواْ تُوبُوٓاْ إِلَى ٱللَّهِ تَوۡبَةً نَّصُوحًا[14]" کے حوالے سے تینوں طبقات کی توبہ میں فرق کرتے ہوئے فرماتے ہیں: توبة

---

[11] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 2:442۔

[12] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 4:62۔

[13] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 2:353۔

[14] التحریم 66:8۔

العامة من الذنوب، وتوبة الخاصة من العيوب، وتوبة خاصة الخاصة من الغيبة عن حضرة علام الغيوب.[15] "عوام کی توبہ گناہوں سے ہوتی ہے، خواص کی توبہ عیوب سے ہوتی ہے اور خواص الخواص کی توبہ علام الغیوب کے حضور غیبوبت سے ہوتی ہے۔"

باہمی تناصح کی ضرورت

حدیث مبارکہ میں آپ ﷺ نے مؤمنین کو ایک دوسرے کے لئے آئینہ قرار دیا ہے:المؤمن مرآة المؤمن۔[16] "مؤمن مؤمن کا آئینہ ہے۔" یعنی اگر کوئی مسلمان کسی برائی یا بے اعتدالی میں مبتلا ہو تو دوسرا مسلمان اسے روکے اور ٹوکے اور اس کی درستیِ احوال کی فکر کرے، ایک دوسرے میں برائیاں اور عیوب دیکھ کر ان سے صرفِ نظر مسلمان کی شان نہیں ہے۔ ابن عجیبہ اس تناظر میں سالکین میں باہم تناصح اور خیر خواہی کو لازم قرار دیتے ہیں۔ فرماتے ہیں کہ اگرچہ صوفیہ کے قلوب باہمی محبت والفت کا مظہر ہوتے ہیں، تاہم وہ ایک دوسرے کے عیوب پر آنکھ بند کرنے کی بجائے ان کی اصلاح کی فکر کرتے ہیں: وقال بعض الصوفية: ما زالت الصوفية بخير ما تنافروا، فإن توافقوا فلا خير فيهم. هـ. والمراد بالتنافر- في حقهم- التناصح، وإنكار بعضهم على بعض إذا رأى من أحد عيباً، فإن سكتوا عن بعضهم، وتوافقوا على مساوئ بعضهم بعضاً، فلا خير فيهم، وأما قلوبهم فهي متوافقة مؤتلفة.[17] "بعض صوفیا فرماتے ہیں صوفیا اس وقت تک خیر پر رہتے ہیں جب تک ان میں باہمی تنافر موجود رہے۔ اگر ان میں توافق پیدا ہو جائے تو ان میں خیر ختم ہو جاتی ہے، صوفیا میں تنافر کا مطلب باہمی خیر خواہی اور کوئی عیب دیکھنے کی صورت میں ایک دوسرے کو ٹوکنا ہے، اگر وہ ایک دوسرے سے خاموشی اختیار کریں گے اور برائیوں کو دیکھ کر بھی باہمی توافق کا معاملہ رکھیں گے تو ان میں خیر ناپید ہو جائے گی۔ البتہ ان کے دل باہمی اتفاق و محبت کے جذبات سے لبریز ہوتے ہیں۔"

تزکیۂ نفس اور اس کے لوازمات

تزکیۂ نفس قرآنی تعلیمات کے بنیادی موضوعات میں سے ہے، قرآن مجید میں نہ صرف تزکیۂ نفس کے اختیار کرنے پر زور دیا گیا ہے، بلکہ تزکیۂ نفس کے ضروری لوازمات سے بھی بحث کی گئی ہے۔ مختلف قرآنی آیات میں لفظ نفس کا اطلاق ذات، شخصیت، وجود انسانی قلب اور روح پر کیا گیا ہے پھر ان میں سے ہر ایک کی پاکیزگی اور طہارت کے اصول و ضوابط بیان کئے گئے ہیں۔ ابن عجیبہ تزکیۂ نفس کے لیے اتباع قرآن کو لازمی قرار دیتے ہیں۔ آپ کا محل استدلال یہ آیت مبارکہ ہے۔ فَإِذَا قَرَأْنَٰهُ فَٱتَّبِعْ قُرْءَانَهُۥ [18] "سو جب ہم اس کو پڑھ چکیں، تو آپ اس پڑھے ہوئے کی اتباع کریں۔" ابن عجیبہ

---

[15] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 7:876۔

[16] ابو داؤد سلیمان بن اشعث السجستانی، السنن، رقم الحدیث:4918۔

[17] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 3:582۔

[18] القيامة 75:18۔

کے نزدیک تزکیۂ نفس کے لیے سرچشمہ ہدایت قرآن ہے۔ وصول الی اللہ جو کہ تزکیۂ نفس کا اصل مقصد ہے۔ قرآنی رشد وہدایت پر عمل پیرا ہونے سے ہی حاصل ہوتا ہے۔ وصول الی اللہ کی لذتوں سے وہی بہرہ ور ہوتا ہے جو بن دیکھے اصل قادر مطلق پر ایمان رکھتا ہے اور ہمیشہ خلوص سے قائم الصلوٰۃ رہتا ہے اور اللہ کے عطا کردہ روحانی اور مادی خزانوں کو مخلوق خدا کا حقیقی حق سمجھتے ہوئے ان میں تقسیم کرتا ہے۔[19] اتباعِ قرآن کے ساتھ ساتھ تزکیے کے لیے اتباع رسول بھی ضروری ہے۔ ابن عجیبہ کے نزدیک اتباع رسول طریقت کے ارکان میں سے ایک اہم رکن ہے،اور حقیقت کے انوار کی جلوہ گری کے لیے بنیادی شرط ہے، جو شخص اتباع مصطفیٰ سے دور ہوگا اس کا راستہ طریقت کا راستہ ہرگز نہیں ہوسکتا، اور جو طریقت کی راہ پر نہ ہو وہ وصول الی اللہ کی منزل بھی نہیں پا سکتا۔[20] سو شیخ کے نزدیک تزکیۂ نفس کا اصل مقصد وصول الی اللہ کی منزل کو پانا ہوتا ہے۔ یہ منزل صرف طریقت کے سالک کو ہی مل سکتی ہے اور طریقت کا سالک صرف وہی شخص ہو سکتا ہے جو سرتاپا اتباع مصطفیٰ کا حقیقتاً عملی نمونہ ہو۔ شیخ اپنے اس نظریے کے لیے سورہ آل عمران کی آیت: قُلۡ اِنۡ كُنۡتُمۡ تُحِبُّوۡنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوۡنِىۡ يُحۡبِبۡكُمُ اللّٰهُ وَ يَغۡفِرۡ لَكُمۡ ذُنُوۡبَكُمۡ‌ؕ وَ اللّٰهُ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔ سے استدلال کرتے ہیں۔ ابن عجیبہ کے نزدیک تزکیۂ نفس سے انسان عارف کے درجہ پر فائز ہوتا ہے۔ عارف کمال انسانیت کی صفت سے متصف ہوتا ہے۔ عارف کی عبادات کے دو مقصد ہوتے ہی1۔: عبودیت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونا۔2۔ حق ربوبیت کی تعظیم بجالانا۔[21]

ابن عجیبہ کے نزدیک انسانوں کی تین قسمیں ہیں۔ عارفین، غافلین اور جاہلین۔ عارفین وہ لوگ ہیں جنھیں الوہی ہدایت کا شرف حاصل ہوا وہ تزکیۂ نفس اور صفائیِ باطن کے اس اعلیٰ درجہ پر فائز ہوتے ہیں کہ ان کا عقیدہ وفکر اور تصدیق و یقین صرف اللہ ہی کے لیے ہوتی ہے اور ان کا قول و عمل بھی اللہ کی رضا کے لیے ہوتا ہے، ان کی عبادت یہی ہے کہ وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کی راہ پر رہتے ہیں۔ یہی اتقیا کامیاب وکامران ہیں۔ اور غافلین ایسے انسان ہیں جو الوہی ہدایت کے سرچشمہ سے فیضاب تو ہوتے ہیں۔، الٰہیات کی قلبی تصدیق اور لسانی اقرار بھی کرتے ہیں لیکن تزکیۂ نفس میں کمزور ہوتے ہیں۔ وہ وصول الی اللہ کے مقام تک نہیں پہنچ پاتے۔ یہ معبود برحق کی عبادت بھی کرتے ہیں، مگر صرف اخروی اجر کے لیے۔ ان کی عبادت صرف حسی اور ظاہری ہوتی ہے، جب کہ عارفین کی عبادت حسی وظاہری سے آگے بڑھ کر قلبی اور باطنی بھی ہوتی ہے۔ جاہلین ایسے انسان ہیں جن تک الوہی ہدایت پہنچتی ہے، لیکن وہ اس کا انکار اور تکذیب کرتے ہیں۔ یہ تزکیۂ نفس سے الٹ چلتے ہیں، یہی لوگ مکمل خسارے میں ہیں۔[22]

---

[19] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1: 44۔

[20] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1: 309۔

[21] آل عمران 3: 31۔

[22] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1: 55۔

آدابِ سالک

تصوف وسلوک آداب کا نام ہے، اس راہ میں بے ادب ہمیشہ محروم رہتا ہے، اسی طرح اس راہ کے کچھ اصول و ضوابط ہیں جن پر کاربند رہنے سے ہی سالک مقام قرب حاصل کر سکتا ہے۔ اس تناظر میں صوفیہ سالک کے آداب پر خصوصی توجہ دیتے ہیں۔ ابن عجیبہ نے بھی اس حوالے سے اہم امور کی نشان دہی کی ہے۔ ایک مقام پر سالک اور مرید کے آداب بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

> **اعلم أن البيوت التي يدخلها المريد ثلاثة: بيت الشريعة وبيت الطريقة وبيت الحقيقة، ولكل واحد أبواب فمن أتى البيت من بابه دخل. ومن أتاه من غيره طُرد.فبيت الشريعة له ثلاثة أبواب: الباب الأول: التوبة، فإذا دخل هذا الباب، وحقَّق التوبة بأركانها وشروطها، استقبله باب الاستقامة، وهي: متابعة الرسول في أقواله وأفعاله وأحواله، فإذا دخله، وحقق الاستقامة، استقبله باب التقوى بأقسامها. فإذا حقق التقوى ظاهراً وباطناً، دخل بيت الشريعة المطهرة، وتنزه في محاسنه ومعانيه، ثم يروم دخول بيت الطريقة، وله ثلاثة أبواب:الباب الأول: الإخلاص وهو: إفراد العمل لله من غير حرف ولا حظ، فإذا حقق الإخلاص استقبله باب التخلية وهى التطهير من العيوب الباطنة، وهي لا تنحصر، لكن من ظفر بالشيخ أطلعه عليها، وعلّمه أوديتها، فإذا حقق التخلية استقبله باب التحلية، وهي: الاتصاف بأنواع الفضائل كالصبر والحلم والصدق والطمأنينة والسخاء والإيثار، وغير ذلك من أنواع الكمالات. فإذا حقق الإخلاص والتخلية والتحلية فقد حقق بيت الطريقة، ثم يستقبله بيت الحقيقة.فأول ما يقرع باب المراقبة، وهي: حفظ القلب والسر من الخواطر الردية، فإذا تطهر القلب من الخواطر الساكنة، استشرف على باب المشاهدة، وهى: محو الرسوم في مشاهدة أنوار الحي القيّوم، أو تلطيف الأواني عند ظهور المعاني، فإذا دخل باب المشاهدة، وسكن فيها، استقبله باب المعرفة، وهي محلّ الرسوخ والتمكين، وهي الغاية والمنتهى، فبيت الحقيقة هو مسجد الحضرة الربانية. وما بقي بعدها إلا الترقي في المقامات، وزيادة المعارف والكشوفات أبداً سرمداً۔**[23]

---

[23] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1:221۔

یاد رکھیے سالک کے داخل ہونے کے تین گھر ہیں۔ بیت الشریعۃ، بیت الطریقۃ اور بیت الحقیقۃ۔ اور ہر ایک کے لیے مختلف دروازے ہیں۔ تو جو گھر میں اس کے دروازے سے آنا چاہے گا وہ اس گھر میں داخل ہو جائے گا اور جو درازے کے علاوہ کسی اور ذریعے سے آنے کی کوشش گا اسے رد کر دیا جائے گا۔ چنانچہ بیتِ شریعت کے تین دروازے ہیں۔ پہلا دروازہ توبہ ہے، جو اس دروازے سے داخل ہو گا، اور تمام شرائط وارکان کے ساتھ توبہ کرے گا، تو باب الاستقامت اس کا استقبال کرے گا، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال وافعال اور احوال کی پیروی کا نام ہے، جو اس دروازے سے داخل ہو جائے گا اور اسے استقامت بھی نصیب ہو جائے گی تو تقوی کے تمام دروازے اس کا استقبال کریں گے۔ چنانچہ جب وہ ظاہری اور باطنی طور پر تقویٰ حاصل کرلے گا تو شریعت مطہرہ کے گھر میں داخل ہو جائے گا، اور اس کے حقائق اور محاسن سے مزین ہو جائے، پھر وہ بیتِ طریقت میں داخل ہونا چاہے گا تو اس کے لیے بھی تین دروازے ہیں، پہلا دروازہ اخلاص ہے، اور اخلاص بغیر کسی انحراف اور شرک کے خالص اللہ کے لیے عمل کرنے کا نام ہے، جب اسے اخلاص حاصل ہو جائے تو تخلیہ کا دروازہ اس کا استقبال کرتا ہے، جو باطنی عیوب سے پاکیزگی حاصل کرنے کا نام ہے، اس کی بے شمار شاخیں ہیں۔ لیکن جسے شیخ کی صحبت حاصل ہو تو شیخ اسے ان پر مطلع بھی کر دیتا ہے اور اس کی گھاٹیوں کا پتہ بھی دے دیتا ہے۔ جب اسے تخلیہ کی دولت نصیب ہو جائے تو تحلیہ کا دروازہ اس کا استقبال کرتا ہے، جو کہ صبر، حلم، سچائی قلبی اطمینان، سخاوت، ایثار اور دیگر کمالات و فضائل سے متصف ہونے کا نام ہے۔ جب کوئی اخلاص، تخلیہ اور تحلیہ کی دولت سے مالا مال ہو جائے تو اسے بیتِ طریقت حاصل ہو جاتا ہے، پھر بیتِ حقیقت اس کی اگلی منزل ہوتی ہے۔ مراقبہ کے باب کو کھٹکھٹانے والی سب سے پہلی چیز دل و دماغ کو برے خیالات سے محفوظ کرنا ہے، جب دل باطل خیالات سے پاک ہو جاتا ہے، وہ باب المشاہدہ پر جھانکنے لگتا ہے، جو زندہ و جاوید ذات کے انوارات کے مشاہدے میں اپنے خیالات کو مٹانے کا نام ہے، یا حقائق کے فیضان کے وقت دلوں کے برتنوں کو جھکانے کا نام ہے، چنانچہ جب وہ بابِ مشاہدہ میں داخل ہو کر اس میں سکونت اختیار کرلیتا ہے تو باب المعرفۃ اس کا استقبال کرتا ہے، جو کہ رسوخ اور تمکین کا محل ہے، یہی غایت و منتہی ہے۔ چنانچہ بیت الحقیقۃ بارگاہ الٰہی کی سجدہ گاہ ہے۔ اس کے بعد صرف مقامات کی ترقی، معارف اور کشف کی زیادتی کا تسلسل جاری رہتا ہے۔

راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے صوفیہ کی مذمت

،اہلِ تصوف نام نہاد صوفیوں یا راہِ اعتدال سے ہٹے ہوئے صوفیا کو ہمیشہ تنبیہ کرتے رہے اور ان کی بے اعتدالیوں پر ان کو نشانۂ تنقید بناتے رہے ہیں۔ ایک باکمال صوفی اور عارف باللہ کی حیثیت سے ابن عجیبہ بھی راہ اعتدال سے ہٹے ہوئے

صوفیا کی بے اعتدالیوں سے بخوبی واقف ہیں اور ایسے صوفیوں کی مذمت کرتے ہیں جو احکام شرعیہ سے خود کو ماورا سمجھنے لگتے ہیں اور جن کا مقصد صرف لوگوں کے مال ہتھیانا ہوتا ہے۔ فرماتے ہیں:

قد رأينا بعض الفقراء دخل بلد الحقيقة فسقطت من قلبه هيبة الشريعة، فتساهل في أموال الناس وسقطت لديه حرمة العباد، حتى لا تثق به في حفظ مال ولا أهل، فإذا أودعته شيئاً أو قارضته لا يؤده إليك إلا ما دمت عليه قائماً. وهذه زندقة ونزعة إسرائيلية، لا يرضاها أدنى الناس، فما بالك بمن يدعي أنه أعلى الناس۔[24]

بعض فقرا کو ہم نے دیکھا کہ جب وہ حقیقت کے شہر میں داخل ہوتے ہیں، تو ان کے دل سے شریعت کی ہیبت ساقط ہو جاتی ہے، وہ لوگوں کے مالوں میں تساہل برتنے لگتے ہیں، ان کے ہاں انسانی حرمت ختم ہو جاتی ہے۔ وہ مال اور اہل وعیال کی حفاظت میں قابل اعتماد نہیں رہتے، اگر تو انھیں کوئی چیز امانتاً یا بطور قرض دے دیں تو وہ تجھے واپس نہیں کریں گے، ہاں جب تک کہ تو ان کے سر پر کھڑا رہے، یہ لادینیت اور اسرائیلی رجحان ہے، کمتر انسان بھی اسے پسند نہیں کرتا، چہ جائے کہ وہ شخص جو سب سے اعلیٰ انسان ہونے کا دعویٰ کرتا ہو۔"

ابن عجیبہ کا نظریہ دیگر علمائے اسلام کی تعریفاتِ شریعت وطریقت کی روشنی میں

شریعت اور طریقت کو مسلم علما نے مختلف انداز سے واضح کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان تعریفات کے مطالعے سے شریعت وطریقت کا تقریباً وہی تصور سامنے آتا ہے، جو ابن عجیبہ کے یہاں ملتا ہے۔ مثلاً شریعت کی تعریفات کچھ اس طرح کی گئی ہیں: **الشريعة ما سنّ الله من الدين وأمر به۔**[25] "شریعت وہ طریقہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تجویز کیا اور اس کا حکم دیا۔"؛ "اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے جو احکام مقرر فرمائے، وہ شریعت ہے۔"[26]؛ جو سیرت ان لوگوں کے ساتھ مخصوص ہے، جو اللہ تعالیٰ کی طرف چلتے ہیں، منازل طے کرتے ہیں اور مقاماتِ سلوک میں ترقی پاتے ہیں، وہ شریعت ہے۔"[27] اور شریعت اور حقیقت وطریقت سے متعلق کہا گیا ہے کہ "شریعت التزامِ عبودیت ہے، اور حقیقت مشاہدۂ ربوبیت؛ شریعت یہ ہے کہ تم اللہ کی عبادت کرو اور حقیقت یہ ہے کہ تم اللہ کا مشاہدہ کرو۔"[28] "ظاہر احکام پر

---

[24] ابن عجیبہ، البحر المدید فی تفسیر القرآن المجید، 1:371۔

[25] ابوالفضل جمال الدین محمد بن مکرم بن منظور افریقی، لسان العرب (مصر: قاہرہ داالمعارف، س ن)، 8:175۔

[26] ابوالحسن علی بن محمد بن عبدالکریم ابن الاثیر الجزری، النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر (بیروت: دارالکتاب العربیۃ، 1418ھ/1997ء)، 2:413۔

[27] میر سید شریف علی بن محمد بن علی جرجانی، التعریفات (بیروت: دارالفکر، 1418ھ/1997ء)، 1:101۔

[28] ابوالقاسم عبدالکریم بن ہوازن القشیری، الرسالۃ القشیریۃ (بیروت: دارالکتاب العلمیۃ، 1418ھ/1997ء)، 1:118۔

عمل کرنا شریعت ہے، یہ عام لوگوں کے لیے ہے اور شریعت کے باطن پر عمل کرنا طریقت ہے اور یہ خاص لوگوں کے لیے منہاج ہے؛ شریعت کا تعلق ابدان اور اجسام سے ہے اور طریقت کا تعلق دلوں سے ہے، یعنی دلوں میں علوم و معرفت کا حصول، اور حقیقت کا تعلق ارواح سے ہے، یعنی حق کو دیکھنا اور اس کا مشاہدہ کرنا۔ "[29] ان تعریفات پر غور سے یہی بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے ظاہری احکام اور امورِ حسیّہ پر عمل پیرا ہونا شریعت ہے، جب کہ اس شریعت کے باطن اور اس کی روح پر عمل کرنا طریقت ہے، طریقت دراصل سلوک، تزکیہ، احسان اور تصوف کا ہی نام ہے۔ گویا یہ مختلف تعبیرات اور مترادفات ہیں۔

خلاصۂ بحث

ابن عجیبہ شریعت و طریقت کو لازم و ملزوم قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک طریقت شریعت کا لب لباب اور خلاصہ ہے۔ حقیقت اور شریعت کا وہی تعلق ہے، جو روح اور جسم کا ہوتا ہے، شریعت جسم اور حقیقت روح کی مانند ہے۔ شریعت بدون حقیقت جسم بلا روح کے مانند ہے اور حقیقت بغیر شریعت کے روح بلا جسم کے مانند ہے؛ دونوں کا وجود ایک دوسرے پر موقوف ہے۔ لہٰذا جس نے شریعت کو حاصل کیا مگر حقیقت کو نہ پایا تو وہ فاسق ہے، اور جس نے حقیقت کو حاصل کیا مگر شریعت سے نابلد رہا وہ لادین ہے، اور جس نے دونوں کو حاصل کیا وہی حق پر ہے اور جو دونوں سے محروم رہا گویا وہ اللہ کے دین سے نکل کر غیر اللہ کی طلب میں مصروف ہوا۔ ابن عجیبہ نے ایک اور مقام پر فرمایا: باطن میں حقیقت اور ظاہر میں رسولوں کی شریعت پر کاربند رہ کر دونوں کو جمع کرنا ضروری ہے۔ قرآن کریم، حدیثِ نبوی اور سیرت رسول اللہ ﷺ پر غور کرنے سے بھی ابن عجیبہ کے نظریے کی تایید ہوتی ہے۔ قرآن میں رسول اکرم ﷺ کی بعثت کے چار مقاصد بیان کیے گئے ہیں: تلاوتِ قرآن کریم، تعلیمِ کتاب، تعلیمِ حکمت اور تزکیۂ نفس۔ ان چاروں مقاصد کے تناظر میں دیکھیں تو یہ حقیقت سامنے آتی ہے کہ تعلیم کتاب و حکمت شریعت ہے اور تزکیۂ نفس طریقت۔

---

[29] نورالدین علی بن سلطان محمد ملا علی قاری، مرقات (ملتان: مکتبہ امدادیہ، 1390ھ/1970ء)، 1:248۔